آیت کا مطلب یہ ہے کہ یوں تو کفر و ارتداد ہر حالت میں انسان کی بدبختی اور اس کی شامت کی دلیل ہے لیکن آج تم نے اگر یہ راہ اختیار کی جب کہ اللہ کی آیات تمھیں سنائی جا رہی ہیں اور خدا کا رسول تمھارے اندر موجود ہے تو یہ محرومی و بدبختی کی انتہا ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم نے پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھائی اور اپنے لیے عذر کا کوئی شائبہ بھی باقی نہ چھوڑا۔ پھر اس قسم کی ٹھوکر سے بچنے کی تدبیر بتادی کہ اگر چاہتے ہو کہ تمھارے قدم جادۂ مستقیم پر استوار رہیں اور تمھارے مخالفین تمھیں ٹھوکر نہ کھلا سکیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کو مضبوط پکڑو، یعنی اللہ کی جو آیات و ہدایات تمھیں سنائی جا رہی ہیں، انھیں حرزِ جان بناؤ اور تمام مخالفتوں اور تمام خاکبازیوں کے علی الرغم ان پر قائم و دائم رہو۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسۡلِمُونَ (۱۰۲)

اعتصام باللہ کی حقیقت

یہ اعتصام باللہ کی حقیقت واضح فرمادی کہ اللہ کو مضبوط پکڑنے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے اس طرح ڈرتے رہو جس طرح اس سے ڈرتے رہنے کا حق ہے۔ یہ تقویٰ اگرچہ مطلوب تو اسی حد تک ہے جس حد تک بندے کی استطاعت میں ہے، اس کی وضاحت خود قرآن ہی نے فرمادی ہے کہ فَاتَّقُوا ٱللَّهَ مَا ٱسۡتَطَعۡتُمۡ (۱۶-تغابن) لیکن خدا سے ڈرنے اور دوسروں سے ڈرنے میں بڑا فرق ہے، اس وجہ سے ارشاد ہوا کہ خدا سے ڈرتے رہو جس طرح خدا سے ڈرتے رہنے کا حق ہے۔ اول تو بندے پر خدا کے جو حقوق ہیں وہ کسی اور کے نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ خدا نے جو حدود و قیود قائم کیے ہیں اور ان کے توڑنے کی جو سزا مقرر کی ہے وہ تمام تر بندوں کی دنیوی و اخروی بہبود کے لیے کی ہے، ان کی پابندی سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بندوں ہی کو پہنچتا ہے۔ تیسری یہ کہ خدا کی آنکھیں ہر جگہ نگراں ہیں یہاں تک کہ وہ دلوں کے وسوسوں سے بھی باخبر ہے۔ چوتھی یہ کہ خدا کی پکڑ سے کوئی دوسرا بچا نہیں سکتا اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں سزا دے سکتا ہے اور ہمیشہ کے لیے دے سکتا ہے۔ خدا سے ڈرنے میں جب تک بندہ ان تمام پہلوؤں کو مدنظر نہ رکھے وہ خدا سے ڈرنے کا صحیح مفہوم سمجھ بھی نہیں سکتا چہ جائیکہ وہ اس کا صحیح حق ادا کر پائے۔ بہت سے لوگ جو انسانوں سے ڈر کر خدا اور اس کی شریعت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں ان کی بنیادی گمراہی یہی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی مخالفت اور خدا کے غضب میں فرق نہیں کر پاتے۔

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسۡلِمُونَ میں یہ لطیف حقیقت واضح فرمائی ہے کہ خدا سے یہ ڈرنا صرف عارضی اور وقتی طور پر مطلوب نہیں ہے بلکہ یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ اسی پر جینا اور اسی پر مرنا ہے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سے یہ جد و جہد شروع ہوتی اور زندگی کی آخری سانس پر تمام ہوتی ہے۔ اگر آخری مرحلے میں بھی یہ تسلسل کہیں ٹوٹ گیا تو ساری عمر کی محنت برباد گئی۔ آیت کے اسلوب میں یہ بات بھی مخفی ہے کہ یہ راہ بہت ہموار نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سے نشیب و فراز اور ہر قدم پر اتار چڑھاؤ ہیں۔ اس میں آزمائشوں اور فتنوں سے دوچار ہونا ہوگا اور شیاطین کے شب خونوں اور معاندین کی دراندازیوں اور فساد انگیزیوں

سے سابقہ پیش آئے گا۔ کبھی طمع ورغلانے کے لیے عشوہ گری کرے گی۔ کبھی خوف دھمکانے کے لیے اپنے اسلحہ سنبھالے گا۔ جو ان سب مرحلوں سے اپنا ایمان واسلام بچاتا ہوا منزل پر پہنچا اور اسی حال میں اس نے جان، جان آفریں کے سپرد کی درحقیقت وہ ہے جو خدا سے اس طرح ڈرا جس طرح خدا سے ڈرنے کا حق ہے اور یہی ہے جس کو اعتصام باللہ کا مقام حاصل ہوا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۱۰۳)

'حبل اللہ' سے مراد

'حبل' کے معنی رسی کے ہیں۔ اپنے اسی معنی سے ترقی کر کے یہ لفظ تعلق اور ربط کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اس لیے کہ رسی دو چیزوں میں ربط و تعلق کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایک حماسی شاعر کا مشہور شعر ہے۔

وَلٰکِنّی وصلت الحبل منہ   مواصلۃ بحبل ابی بیان

"لیکن میں نے اس سے اپنا تعلق جوڑے رکھا، ابو بیان کے تعلق سے وابستگی کی بنا پر۔"

پھر مزید ترقی کر کے یہ لفظ معاہدہ کے مفہوم میں بھی استعمال ہونے لگا اس لیے کہ رسی جس طرح دو چیزوں کو ایک ساتھ باندھ دیتی ہے اسی طرح معاہدہ بھی دو قوموں کو ایک دوسرے سے باندھ دیتا ہے۔ معاہدہ کے مفہوم میں یہ لفظ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ الا بحبل من اللہ وحبل من الناس (مگر اللہ کے اور لوگوں کے کسی معاہدے کے تحت) آیت زیر بحث میں حبل سے مراد قرآن ہے اس لیے کہ یہی ہمارے رب اور ہمارے درمیان ایک عہد و میثاق ہے۔ خدا کو مضبوطی سے پکڑنا ظاہر ہے کہ اپنے ظاہری مفہوم میں نہیں ہے اس لیے کہ خدا چھونے اور پکڑنے کی چیز نہیں۔ اس کو مضبوطی سے پکڑنے کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ ہم اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑیں جو ہمارے اور اس کے درمیان واسطہ ہے۔ گویا اوپر والی آیت میں وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ جو فرمایا تھا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ کے الفاظ سے اس کی وضاحت فرما دی۔

سلف میں سے قتادہ، سدی، عبداللہ بن عباسؓ، مجاہد اور ضحاک کی یہی رائے ہے۔ ابن جریر نے ابو سعید خدریؓ کے واسطے سے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ ھو حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک خدا اور اس کے بندوں کے درمیان تنی ہوئی ہے۔

'اعتصام بحبل اللہ' کی جامع حیثیت مطلوب ہے

گویا یہی چیز ہے جو بندوں کو خدا سے جوڑتی ہے۔ جس نے اس کو تھام لیا، گویا خدا کو تھام لیا۔ سلف میں سے جو لوگ حبل اللہ کی تعبیر عہداللہ سے کرتے ہیں وہ بھی درحقیقت حبل اللہ سے قرآن ہی کو مراد لیتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان معاہدہ کی حیثیت قرآن ہی کو حاصل ہے۔ قرآن اور دوسرے